امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ڈاکٹر سید حسن الدین احمد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو (آل عمران ۱۱۰) اللہ تعالیٰ نے فلاح بھی انھیں لوگوں کے لیے رکھی ہے جو معروف کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں (آل عمران: ۱۰۴) اس مضمون میں اختصار کے ساتھ معروف و منکر کے مفہوم و معنی۔ ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے گی اور اس کی فرضیت اور طریق کار پر بھی بحث کی جائے گی۔

مذکورہ بالا آیات اس باب میں صریح ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت مسلمہ کا مقصد وجود ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معروف کیا ہے اور منکر کیا؟ معروف جن کا اسلام حکم دیتا ہے وہ نیکیاں ہیں جو ہر معاشرہ میں جانی پہچانی ہیں اس لیے معروف کہلاتی ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں معروف کی یہی تشریح کی ہے۔ اس اصطلاح کی تفسیر مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں اس طرح کی ہے کہ وہ صحیح طریقہ کار جس سے بالعموم انسان واقف ہوتے ہیں جس کے متعلق ہر وہ شخص جس کا کوئی ذاتی مفاد ولستہ نہ ہو بول اٹھے کہ بے شک حق و انصاف یہی ہے۔ اسی طرح مولانا مودودیؒ نے الجہاد فی الاسلام میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ رواج عام کو بھی جس کے متعلق شریعت نے کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو معروف کہا جاتا ہے۔ چنانچہ معروف کی چند مثالیں یہ ہوں گی۔ ایمانداری سچائی۔ فرض شناسی۔ تعاون و ہمدردی۔ عدل و انصاف، حقوق کی ادائیگی وغیرہ۔

دوسری اصطلاح "منکر" ہے۔ یہ وہ ناپسندیدہ فعل ہے جس سے اسلام منع کرتا ہے۔ اس کی تشریح میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ منکر وہ تمام برائیاں اور مفسدات ہیں جن کو رسول کریمؐ کی طرف سے ناجائز قرار دینا معلوم ہو۔ مولانا مودودیؒ نے اس طرح اس کی وضاحت کی

ہے کہ منکر وہ نامانوس اور انجانے عمل ہیں جو عقل صحیح اور عام آدمی کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ منکر صرف وہ اعمال ہوں گے جن کی ناپسندیدگی امت مسلمہ میں متفق علیہ ہو۔ اجتہادی عمل میں اس کا نفاذ نہیں ہوگا اس لیے کہ حضرت عمر بن العاص سے مروی حدیث کا مفہوم یوں ہے "جب کوئی اجتہاد کرے اور صحیح ہو تو دو اجر ہیں اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔"

منکر کی چند مثالیں جو متفق علیہ ہیں یہ ہیں۔ خیانت، بدکاری، جھوٹ، فتنہ و فساد، بے انصافی۔ حد سے تجاوز۔ حق سلب کرنا۔ باطل کی حمایت۔ کمزور کو ستانا۔ ظلم کرنا۔ حق و صداقت کو دبانا وغیرہ۔

معروف و منکر کے معنی اور مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب ان کی اہمیت کا بھی اندازہ کرلینا مناسب ہوگا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نظام تمدن کو فساد سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک بہترین اور ناگزیر تدبیر ہے۔ اسے اللہ نے ایک بین الاقوامی امت کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ جو تقویٰ اور اخوت کی اساس پر قائم ہوئی ہے کا وظیفۂ حیات اللہ کے نظام کو زمین پر قائم کرنا، حق کو باطل پر، معروف کو منکر پر اور خیر کو شر پر غالب کرنا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے بہت عمدہ مثال سے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ دونوں کام بیک وقت انجام دینا ناگزیر ہے۔ ایک محلہ میں غلاظت پھیلی ہو اور اس سے وبا پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کا شکار جہاں وہ ہوگا جو اس سے بچتا نہیں وہاں وہ بھی ہوگا جو اگرچہ حفظان صحت کا خیال رکھتا ہو مگر رہتا اسی محلہ میں ہو۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے "اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھیں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا" (الانفال ۲۵)۔ اسی طرح ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ایک گروہ نافرمانی کرتا تھا۔ دوسرا گروہ اسے روکتا تھا۔ ایک تیسرا گروہ وہ تھا جو دوسرے گروہ سے یہ کہتا تھا کہ پہلے گروہ کو روکنا لاحاصل ہے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ہم نے ان کو نجات دی" (الاعراف ۱۶۵) اس سے معلوم ہوا کہ نہی عن المنکر نہ کرنے والا گروہ بھی اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکا اگرچہ وہ خود برائی سے اپنے کو بچاتا تھا۔ ایک حدیث بھی بالکل اسی مفہوم کو ہمارے سامنے رکھتی ہے "کہ جس نے

برائی ہوتے دیکھی اوراس کو روکنے کی کوشش نہیں کی وہ سب سے پہلے عذاب کا مستحق ہوگیا۔ بیہقی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اللہ جبریلؑ کو حکم دے گا کہ فلاں شہر جو ایسا ہے ایسا ہے اس کو اس کے باشندوں کے ساتھ الٹ دو۔ جبریلؑ عرض کریں گے کہ یارب اس میں ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی" اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ " اس پر اور دوسروں پر شہر الٹ دو کہ برائیوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے متغیر نہیں ہوا۔"

معمولی عقل و فہم رکھنے والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ بغیر برائیوں کو دور کیے ہوئے بھلائیاں رواج نہیں پاسکتیں۔ میں یہاں اپنی بات کی وضاحت میں دو مثالیں پیش کروں گا۔ اگر سارے لوگ مل کر بھی سمندر کو میٹھا کرنے کے لیے مسلسل شکر کی بوریاں ڈالتے رہیں اور یہ عمل مستقل جاری رہے تو بھی سمندر کبھی بھی میٹھا نہ ہوگا جب تک کہ سمندر کا نمک بھی ساتھ ساتھ نہ نکالا جائے اور پانی نمکین بننے کی وجوہات کا سدباب نہ کیا جائے۔ اسی طرح ایک دوسری مثال لے لیجئے۔ ایک برتن میں سڑا ہوا کھانا ہے اس میں آپ جتنا بھی تازہ فرحت بخش اور صحت افزا کھانا ڈالیں گے وہ سڑے ہوئے کھانے کو فرحت بخش اور صحت افزا نہیں بنا سکتا بلکہ خود یہ اچھا کھانا بھی جلد ہی سڑ جائے گا۔ اگر اچھے کھانے کی حفاظت اور اس کے خواص کو باقی رکھنا مقصد ہے تو برتن سے سڑا ہوا کھانا نکالنا ہوگا اور برتن کو صاف کرنا ہوگا۔ یہ دو مثالیں اس بات کو سمجھ لینے کے لیے کافی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل ساتھ ساتھ ہیں بلکہ نہی عن المنکر ترتیب عمل میں پہلے ہوگا اور امر بالمعروف کا عمل بعد میں۔ یہی بات مولانا مودودیؒ نے بھی لکھی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر سے افضل ہے (الجہاد فی الاسلام)۔

مولانا مودودیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح اپنا پیٹ بھرنے سے دوسروں کا پیٹ بھرنا زیادہ افضل ہے اسی طرح نیکی پھیلانا اور بدی کو روکنا ——— ——— خود نیک بننے اور بدی کو ترک کرنے سے افضل ہے۔ چنانچہ انسان کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ دوسروں کو فلاح کی راہ دکھانے سے پہلے وہ خود اپنے گریبان میں جھانکے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بنی نوع انسان کی خدمت ہے۔ یوں بھی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ جو بات خود اپنے لیے اچھی ہے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند کی جائے۔

اگر کوئی اچھی چیز ہمیں نہیں مل رہی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر دوسروں کو مل سکتی ہے تو وہ انھیں نہ دی جائے۔ جس عمل سے ہمیں خود بچنا چاہیئے اس سے دوسروں کو بھی بچایا جائے۔ اگر خود نہ بچ سکے تو دوسروں کو نہ بچانا خود غرضی ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی ہمیں ملتی ہے۔ ترمذی نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم اور برائیوں کی مخالفت کرتے رہو گے ورنہ عنقریب اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔ اور پھر تم دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔"

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

"ضوابط الٰہیہ میں سستی کرنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ قرعہ اندازی کے بعد کچھ لوگ کشتی کے بالائی حصہ پر اور کچھ نچلے حصہ پر چلے گئے۔ نچلے حصہ والے پانی کے لیے اوپر آتے تو بالائی حصہ والوں کو تکلیف ہوتی۔ چنانچہ نچلے حصہ والوں نے کلہاڑی سے پیندے میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر بالائی حصہ والے نچلے حصہ والوں کے ہاتھ پکڑ لیں گے تو خود بھی ڈوبنے سے بچیں گے اور دوسروں کو بھی بچا لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو ان کے ساتھ خود بھی ہلاک ہوں گے" (نعمانؓ بن بشیر۔ بخاری)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دوسروں کو برا کام کرتے دیکھ کر ان کا ہاتھ نہ پکڑنا خود اپنی تباہی کا سامان کرنا ہے اور پھر ایسے لوگ اللہ کی پکڑ سے بھی نہ بچ سکیں گے۔ ایک اور حدیث بھی صاف صاف یہی بات ہمیں بتاتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم گمان کرتے ہو کہ اگر کوئی برے کام کرے گا تو تم کو نقصان نہ پہنچے گا حالانکہ اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر عمومی عذاب بھیج دے۔" (ابوبکر صدیق۔ نسائی و ترمذی)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت جان لینے کے بعد اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ یہ کام کون کرے۔ عموماً لوگوں میں یہ تاثر ہے اور اسے عام کیا جاتا ہے کہ یہ کام صرف علماء کرام کا ہے کہ وہ لوگوں کو صرف وعظ و تلقین سے معروف پر عمل کرنے اور منکر سے بچنے کے لیے آمادہ کریں۔ حالانکہ ہم درج بالا احادیث اور

قرآنی آیات میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ ان پر عمل قوت و استطاعت کے لحاظ سے مطلوب ہے اور یہ بات بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ ذمہ داری پوری امت مسلمہ پر ڈالی گئی ہے۔ جب یہ بات پوری امت پر فرض کی گئی ہے اور قوت کے استعمال کی بھی ہدایت کی گئی ہے تو یہ اولین ذمہ داری امت کے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ امت کے نمائندے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں قوت بھی دی ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کے حکمرانوں کے نہ صرف یہ کہ یہ کام ہیں بلکہ حکمرانی کے لیے یہ شرائط بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کردیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے"۔ (الحج ۴۱)

حکمرانوں کے ساتھ ساتھ یہ کام اجتماعی طور پر مومنین پر بھی فرض ہے۔ اللہ نے "بڑے واضح انداز میں مومنوں پر یہ ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ فرمایا" اور مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں" (التوبہ ۷۱) اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اس کام کے لیے مومن مرد اور عورت ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی ساتھ دیتے ہیں اور ہاتھ بٹاتے ہیں۔

جہاں یہ کام حکمرانوں اور اجتماعی طور پر مومنین کے ہیں وہاں انفرادی طور پر بھی یہ ذمہ داریاں ہر مومن پر ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ اپنی اصلاح کے ساتھ دوسرے بھائیوں کو احکام قرآن و سنت کے مطابق اچھے کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے روکنے کو ہر شخص اپنا فریضہ سمجھے۔ قرآن بھی حضرت لقمان کی زبان سے ان کے بیٹے کو نصیحت میں اسی بات کا درس دیتا ہے جب وہ بیان کرتا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ "اے میرے بیٹے نماز قائم کر۔ معروف کا حکم دے اور منکر کو روک اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر" (لقمان ۱۷)

اس نصیحت میں واضح طور پر یہ نکتہ بھی مذکور ہے کہ اس کام میں تکلیف پہنچے گی جسے انگیز کرنا اور برداشت کرنا اور صبر پر کاربند رہنا مطلوب ہے گویا اس راہ میں عزیمت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ مسلم اکابر نے ہمیشہ حکمرانوں کا احتساب کیا اور اپنے اس عمل کی وجہ سے شدید تکالیف و شدائد کا سامنا کیا۔ امام مالک

نے زبردستی کا نکاح حرام قرار دیا اور حکمراں کی دی ہوئی سزا بھگتی۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل نے خلق قرآن کے خلاف فتویٰ دیا اور سزا برداشت کی۔ خود ہندوستان میں مجدد الف ثانی نے اکبر کے دین الٰہی کے خلاف فتویٰ دیا اور قید و مشقت برداشت کی۔

اس عمل کے انفرادی وجوب کے سلسلہ میں عموماً دو اشکال بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو معروف و منکر کا علم نہ ہو تو کیا اس پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ جس کو نہ معلوم ہو اس پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ معلوم کرے اور پھر یہ خدمت انجام دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ خود خیر نہ کرتا ہو اور شر سے باز نہ رہتا ہو تو وہ کیا کرے۔ اگرچہ ہم اس اشکال کا جواب پہلے دے چکے ہیں مگر پھر بھی یہاں چند مفکرین کی آرا نقل کرتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس شخص پر بھی واجب ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ اگر شرط یہ ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا خود گناہوں سے پاک ہو تو احتساب کا دروازہ بند ہو جائے گا اور مزید لکھتے ہیں کہ خود معصوم تو صحابہ بھی نہ تھے۔ مگر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ آگے آپ مثال دیتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ خود شراب پئے مگر دوسروں کو منع کرے۔ دونوں عمل جدا جدا ہیں۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ ایک کو نہ ماننے سے دوسرے حکم کا نہ ماننا لازم نہیں آتا جو خود بھی برائی کرے اور دوسروں کو بھی منع نہ کرے اس کو عذاب زیادہ ہوگا۔

آخر میں ہم اس کا مطالعہ کریں گے کہ یہ دونوں عمل کس طرح انجام دیئے جائیں۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ علم الاخلاق میں انسان کے فرائض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا مطالبہ معاشرہ کرتا ہے اور دوسری قسم اختیاری ہے۔ جن فرائض کا مطالبہ معاشرہ کرتا ہے وہ ہر ایک پر فرض ہیں یعنی قانون نہ توڑا جائے۔ برے کام سے بچا جائے۔ انسان اپنے کو منکر سے بچائے اور دوسروں کو بھی بچائے۔ مثال کے طور پر دوسروں کے حقوق نہ چھینے جائیں۔ ظلم نہ کیا جائے۔ امن و امان میں خلل نہ ڈالا جائے۔ وغیرہ۔ اگر کوئی ان کے خلاف کر رہا ہے تو معاشرہ اس کو مجبور کرے گا۔ یعنی منکر سے بجبر روکا جائے گا۔ دوسری قسم میں انسان اپنے درجات بڑھاتا ہے۔

جیسے نیک بننا۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ خدمت کرنا وغیرہ۔ ان کاموں کے لیے شعور اجاگر کیا جاتا ہے۔ جبر نہیں کیا جا سکتا۔ نہی عن المنکر میں انسان کو عزیمت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ اولوالعزمی اور فضیلت ہے کہ انسان نقصان برداشت کرے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

افضل الجہادِ کلمۃُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (ابوسعید خدری۔ ابوداؤد)

یعنی جابر حکمران کے سامنے عدل کی بات کرنا افضل جہاد ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے انہی صحابی سے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ "تم میں سے کوئی اگر ایک منکر ہوتا ہوا دیکھے تو ہاتھ سے روک دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے برا کہے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ منکر کو روکنے کے لیے قوت استعمال کی جائے کہ یہ ایمان کا بلند ترین درجہ ہے۔ قوت نہ ہو تو اس درجہ کے حصول کے لیے قوت حاصل کی جائے نہ کہ کمزور ایمان پر اکتفا کر لیا جائے۔ چنانچہ معروف کا حکم کرنے اور منکر کو روکنے کے لیے اقتدار ناگزیر ہے۔ خود قرآن کے الفاظ جو آل عمران میں بیان ہوئے ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ قوت واختیار حاصل کیا جائے۔ سید قطب فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں کہ خدائی نظام صرف وعظ و ارشاد اور بیان وتبلیغ کا نام نہیں۔ یہ دین کا صرف ایک حصہ ہے۔ دین کے دوسرے اجزاء کے لیے قوت، اقتدار، حوصلہ اور عزیمت لازمی وسائل واوصاف ہیں۔

اب اس پہلو پر غور کیجئے کہ حالات کے مختلف ہونے سے عمل کے طریقے کس طرح مختلف ہوتے ہیں۔ امر بالمعروف میں عموماً کوئی رکاوٹ اور دقت پیش نہیں آتی۔ منکر کے سدباب میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ منکر کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ نمبرا یہ حالت ہے کہ منکر کا عمل ہو چکا ہو۔ دوسری حالت یہ ہے کہ منکر کا عمل ہو رہا ہو اور تیسری حالت یہ ہے کہ منکر کا عمل ہونے والا ہو۔ منکر کا عمل ہو جانے پر سزا دینے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے۔

منکر کا عمل اگر ہو رہا ہے تو اس کا روکنا واجب ہے خواہ کسی طرح بھی روکا

جائے ۔ بشرطیکہ روکنے کے عمل سے خود کوئی بڑا منکر عمل نہ پیدا ہو جائے ۔منکر کا عمل ہونے والا ہے تو اسے افہام وتفہیم کے ذریعہ یعنی اس منکر کے نقصانات اور برے اثرات ونتائج کی وضاحت کرکے یا بزور قوت جیسے بھی احوال وظروف متقاضی ہوں عمل میں آنے سے روکا جائے ۔

امام غزالیؒ نے منکر کو روکنے کے مراتب اور مراحل کچھ اس طرح بیان کیے ہیں:

۱۔ پہلے بتایا جائے ۔ ۲۔ اس کے بعد نصیحت کی جائے ۔ ۳۔ اس کے بعد سخت الفاظ میں ٹوکا جائے ۔ ۴۔ اس کے بعد زبردستی روکنے کی کوشش کی جائے ۔ ۵۔ آخر میں مددگار جمع کرکے یا مزید قوت حاصل کرکے سختی سے روکا جائے اور اس کے لیے حکومت کی اجازت ضروری نہیں۔

اب ہم یہ دیکھیں کہ کن حالتوں میں یہ کام واجب ۔یا مستحب یا ممنوع ہے۔ واجب اس صورت میں ہوگا کہ منع کرنے سے فائدہ ہو اور ایذا کا خوف نہ ہو (اسی کو قدرت بھی کہتے ہیں) دو صورتوں میں یہ مستحب ہے ۔ایک تو یہ کہ فائدہ کا علم نہ ہو مگر ایذا کا خوف بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ایذا کا خوف ہو مگر منکر ختم ہو جائے ۔امام غزالی کی نظر میں اگر فائدہ نہ ہو اور ایذا بھی پہنچے تو یہ عمل واجب نہیں رہتا ۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک منکر کو روکنے سے زیادہ بڑا منکر پیدا ہو تو نہی عن المنکر منع ہے ۔ ان کی رائے میں چند لوگ چند دوسرے لوگوں کا سختی سے احتساب نہیں کرسکتے مثلاً بیٹا باپ کا ۔بیوی شوہر کا ، غلام آقا کا اور شاگرد استاد کا ۔

اگر غور کیا جائے تو لوگوں کی خواہشات ، مصالح ومفادات ، ظلم وستم پست ہمتی ، سستی وکاہلی اور کج روی سے ایک انسان کا ہر وقت اور ہر سمت میں تصادم ہوتا رہتا ہے ۔ ان سب کے باوجود جو لوگ حق کی نصیحت کرتے اور صبر سے کام لیتے ہیں وہی فلاح پانے والے ہیں اور باقی سب خسارہ میں ہیں۔ یہی بات اللہ تعالیٰ سورۃ العصر میں ہمیں بتاتا ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے

۱۔ معروف ومنکر مولانا سید جلال الدین عمری مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۴۶۳

۲۔ الجہاد فی الاسلام — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ — مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی
۳۔ تفہیم القرآن (متعلقہ مقامات) — " — "
۴۔ فی ظلال القرآن — " — سید قطب شہیدؒ
۵۔ معارف القرآن — " — مولانا مفتی محمد شفیع۔
۶۔ تفسیر مظہری — " — مولانا ثناء اللہ پانی پتی
۷۔ احیاء علوم الدین — امام غزالی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی اہم پیشکش

عہد نبوی کا نظام حکومت

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرت نبوی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اب تک چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ لیکن اس کتاب میں اس لحاظ سے جدت اور ندرت پائی جاتی ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جن سے کتب سیرت میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ ابتداء میں عہد رسالت میں ریاست کے تدریجی ارتقاء پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اس کے دور مبارک میں شہری نظم ونسق اور فوجی، مالی اور مذہبی نظاموں سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا خاص موضوع ہے۔ ان کا نام اعلیٰ تحقیقی معیار کی ضمانت ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری سکریٹری ادارہ اور نائب امیر جماعت اسلامی ہند کا مختصر اور مفید مقدمہ بھی ہے۔

آفسٹ کی خوبصورت طباعت، عمدہ کاغذ، صفحات ۱۳۶ قیمت /۳۰ زیادہ منگوانے پر خصوصی رعایت

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ